

# Basair

Article on

## Burhanuddin Raz-i Ilahi

**BURHANPUR**

Ziya Nargis Jafri

Page no 127-131

Jan 1967

دائرہ معین للعارف کاسہ مہربانی رسالہ

# بصائر کراچی

جنوری ۱۹۶۷ء

شمارہ اول

جلد پہلے

مؤلف

ڈاکٹر سعید معین الحق

حق نشان، ۳۰، نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی

ٹیلیفون ۲۰۸۳۷

فی ہر کپی  
طبع ۵۰ پیسے

زریں کالانہ  
آٹھ روپے اسی پیسے

# فہرست

۲	محمد طیب بخش، ایم اے	عصری امیہ میں غزل
۳۱	محمد طیب ابدلی، ایم اے	حسین توسعہ توحید بنی
۳۶	سید نفیس الحسینی	پنجاب میں اُردو
۵۵	حکیم عبد الغفور ہوشیار	ستارہ گنبد گردوں پر چپکا محمد کا رنٹ
۵۶	امیر احمد فاروقی	مولانا وکیل احمد سکندری
۷۶	مہر جانی، ایم اے	برصغیر ہندوستان کے قدیم سرائی مہیلاں { اسان کی انجیل
۹۴	مبین عبد المجید سندھی ایم اے	بکھر
۱۰۳	رحمت قطبی دہلوی	میرنا صر علی دہلوی
۱۲۰	ضیاء زنگس جعفری، ایم اے	سندھ یونیورسٹی میں اُردو مخطوطات
۱۴۵	حکیم رشید احمد مقصم	غالب کی حقیقت پسندی
۱۵۹	مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی	مکتوبات مولانا خانہ احسن گیلانی { حکیم مسعود احمد برکاتی
۱۷۴	احترام الدین احمد شافعی	راجستھان کے مسلمان



# سندھ یونیورسٹی میں اردو مخطوطات

از ضیاء زرگس جعفری۔ ایم اے۔

(۱)

## ابتدائیہ

سندھ یونیورسٹی میں اردو مخطوطات دراصل مولانا سید طبع اللہ صاحب شہرہ یونیورسٹی سے خرید کئے ہوئے ہیں۔ مولینا کے پاس یہ خزانہ دراشتہ پلا آتا تھا۔ لیکن اپنی مالی مشکلات کی وجہ سے انہیں ملحدہ کرنا پڑا۔ مولانا کی کئی کتابیں ملک میں خاموشی شہرت رکھتی ہیں مثلاً (تاریخ برہانپور) برہانپور میں اولیاء سندھ اور دیوان عطا دغیرہ۔ فارسی میں وہ بڑے دقیق النظر فاضل ہیں اور انہوں نے بعض مخطوطات کی صراحت بڑے عالمانہ انداز میں کی ہے۔

سندھ یونیورسٹی میں یہ تمام مخطوطات کم و بیش سست ہیں۔ ان میں بہت سے کرم خوردہ اور شکستہ خط بھی ہیں۔ اک غالبہ جس کا ماحول بالکل محدود ہو اس کے لئے ایسے کاموں میں بالغ نظری بہ شکل میر ہو سکتی ہے تاہم میں بڑی خوشی سے عرض کر سکتی ہوں کہ میں نے اپنے بزرگوار شیخ جن میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب کا نام فخر سے لے سکتی ہوں رہبری میں حتی الامکان ان مخطوطات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور اس مقصد کیلئے مختلف تاریخیں تذکرے اور کئی ادب سے متعلق کتابیں لکھی ہیں۔ چنانچہ مجھے امید ہے کہ اپنی خامیوں کے باوجود یہ مقالہ کسی مددگار اہل علم حضرت کے نزدیک ضرور قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

احقر ضیاء زرگس



## پہلا دور

علاؤالدین غلجی نے دکن کو لشکر میں فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ اس کے بعد تیس سال سے زیادہ عرصہ تک جنوبی ہندوستانی ہند کے زیر فرمان رہا۔ ملک ہزیر الدین ظفر خاں سلطان علاؤالدین غلجی کے دربار کا امیر الامرا اور اقطار سمانہ و پنجاب و ملتان کا گورنر تھا۔ ۱۲۹۵ء میں جب مغولان ماوراء النہر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو ان کی مداخلت کرتا ہوا میں سحر کے میں شہید ہوا۔ اس کے دو بھائی تھے۔ علی شاہ اور حسن بہمن، یہ دونوں سلطان محمد بن تغلق کے امراء صمدہ میں شامل تھے۔ اور انہیں سلطان نے اپنے استاد قلیغ خاں کے ہمراہ دکن روانہ کیا تھا۔ لشکر میں علی شاہ محمول و ممول کرنے لگے۔ آيا جب اس علاقہ کو عمالان سلطانی سے خانی پایا تو ٹوٹ مار شروع کر دی۔ قلیغ خاں نے اس پر چڑھائی کی بیدر میں لڑائی ہوئی۔ قلیغ خاں نے اسے قید کر کے بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ بادشاہ نے اس کا تصور معاف کر کے عزیمت کی طرف جلا وطن کر دیا۔ علی شاہ کی بغاوت کے کچھ ہی عرصہ بعد امراء دکن نے باہم اتفاق کر کے سلطان کے خلاف بغاوت کر دی۔ دو سال کی ہزیمت کے بعد سلطانی لشکر کو ہزیمت ہوئی اور حسن خاں المناطیب ظفر خاں علاؤالدین بہمن شاہ کے خطاب کے ساتھ دکن کا خود مختار حاکم بن بیٹھا۔ تقریباً دو سال تک اس کے خاندان کے اٹھارہ شخص ملکر اور بیدر میں حکمرانی کرتے رہے مگر ۱۳۰۷ء کے بعد جب سلطنت میں ضعف آگیا تو مختلف صوبہ دار خود مختار ہو گئے اور ان کی جداگانہ سلطنت قائم ہو گئی۔ اور ایک بہمنی سلطنت کے بجائے پانچ حکومتیں۔ گوکنڈہ۔ بیجا پور۔ احمد نگر۔ برار اور بیدر میں قائم ہو گئیں۔ سلطان علاؤالدین، حسن اور اس کے جانشین نہ صرف علم دوست اور علم پرور تھے بلکہ خود بھی ذہنی علم تھے۔ اور ان کے زمانہ میں دکن علم و فن کا مرکز تھا۔ بیدر کا عظیم انسان کا لچ (میر محمد گلاڈاں) جس کے کھنڈر آج تک



اپنے بانی کا نام زندہ رکھنے کے لئے موجود ہیں۔ اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ اس وقت یہاں عام طور پر دکنی زبان کا رواج ہو چلا تھا۔ اور روزمرہ بولی پال میں یہی جدید زبان بولی جاتی تھی۔ سلاطین بہمنہ نے اس زبان کی خاص طور سے سرپرستی فرمائی۔ اور اس کو سرکاری زبان کا درجہ دیا۔ علمائے وقت نے اس سے کام لیا۔ تعلیم اور تبلیغ کا ذریعہ اسی زبان کو قرار دیا۔ بزرگان دین دین کے لئے اپنے اور نو مسلموں کے ترکیہ نفسانہ ہی تعلیم اور اس کو عام فہم بنانے کے لئے یہی زبان استعمال کرتے تھے۔ اور اسی ضرورت کے تحریر میں بھی اسکو استعمال کرنا ضروری ہوا۔ چنانچہ اس عہد کے نثر کے جو نمونے دستیاب ہوئے ہیں وہ بڑی ہی تحریرات ہی ہیں۔ اس عہد کے دو مصنفین کا پتہ چلتا ہے۔ اول سید محمد حسینی النخاطب خواجہ گیسو دراز جن کی کتاب معراج نامہ یا معراج العاشقین ہے۔ دوسرے محمد عبداللہ حسینی جنہوں نے نشاۃ العشق کا ترجمہ کیا ہے۔

**سلطنت بہمنہ کی وسعت** حسن بہمن نے بادشاہ ہونے کے بعد اپنا لقب سلطان علاؤ الدین بہمن شاہ اختیار کیا اور لکھنؤ کو حسن آباد کے نام سے موسوم کر کے اپنا دار الحکومت بنایا۔ اس کی حکومت برابر سے تلنگانہ اور کرشنا سے سمند تک پھیلی ہوئی تھی۔ زمانہ ماجد میں اس کے جانشینوں کی سعی و کوشش سے مملکت میں اور بھی وسعت ہوئی۔

علاؤ الدین احمد شاہ نے کوکن فتح کیا۔ شاہان گجرات اور خاندیش کو شکست دی۔ محمد شاہ کے زمانہ میں اڑیسہ اور کاجھی درم مسخر ہوئے بلگاؤں کے راجہ نے ہریت پائی ان فتوحات سے بہمنوں کی حکومت و سلطنت ایک سمند سے شروع ہو کر دوسرے سمند تک وسیع ہوئی۔ بیجا نگر کے راجا بہمنوں کے در مقابل تھے۔ دونوں کی عملداری کرشنا پر ملی ہوئی تھی۔ ان میں ہمیشہ لڑائی جھگڑے رہا کرتے تھے اور بہمنوں کے لشکر جب بیجا نگر پہنچے جاتے تھے تو یہاں کے راجہ باج خراج ادا کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

سلطنت بہمنہ کے اکثر بادشاہ زکی علم اور علم و فن کے قدردان تھے۔



محمد شاہ ثانی ۱۱۷۷ تا ۱۱۹۹ شاعر و شاعر کی فارسی خوب بولتا تھا میر تقی میر، علامہ سعد الدین تغارانی کے شاگرد تھے۔ اس کے دربار میں عہدہ صدارت پر مامور تھے۔ اسی بادشاہ نے خواجہ حافظ کو شیراز سے دکن بلوایا تھا لیکن خواجہ صاحب نے بحری سفر سے خائف ہو کر آنے سے انکار کر دیا۔

فیروز شاہ بہمنی ۱۱۷۷ تا ۱۱۸۷ شہر بھی زبردست عالم تھا۔ تفسیر اصول اور حکمت طبعی و نظری میں بد طولی رکھتا تھا۔ علم ہیئت سے اسے بڑی دلچسپی تھی۔ شہر میں بمقام دولت آباد ایک رصد گاہ تعمیر کرائی اور تحقیقات فلکی کے لئے محمود گادرونی اور حسن گیلانی جیسے مامور مامور رکھے۔ خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز اسی زمانہ میں تشریف لائے تھے۔ احمد شاہ بہمنی ۱۱۸۷ تا ۱۱۹۳ شہر اسے دربار میں بڑے بڑے علماء جمع تھے۔ مثلاً عبدالغنی ہنفتی نجم الدین اور شیخ آذری وغیرہ آذری مرزا شاہ رخ کے دربار کا ملک الشعراء تھا حج بیت اللہ کے بعد دکن آیادت تک محمد شاہ کے دربار میں رہا۔ بادشاہ کی فرمائش پر سلاطین بہمنی کے حالات منظم کئے اور بہمن نامہ اس کا نام رکھا۔ احمد شاہ کے بعد کے زمانہ تک کے حالات منضبط کر کے بعد آذری اپنے وطن چلا گیا۔ بہمن نامہ کو ملا نظیری، سامعی نے بعد میں پورا کیا۔ محمود گیلانی محمد شاہ ثالث ۱۱۹۳ تا ۱۲۰۷ شہر کا وزیر تھا۔ اور ایک بڑا ذی علم اور فیاض آدمی تھا علوم معقول اور منقول میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ سیّد العلماء سلامت اللہ واحدی شمس الدین سامی عبدالکریم مہدانی ملا تغیری اس کے دربار میں تھے۔ مشہور شاعر عبدالرحمن جامی کو اس نے بیدر میں بلوایا تھا۔ لیکن انہوں نے آنے سے معذرت کی۔

سلاطین بہمنی نے تقریباً ڈیڑھ سو سال حکومت کی اس کے بعد ان کا انحطاط شروع ہوا محمود شاہ کے زمانہ تک صوبہ داروں نے خود سری شروع کر دی



۱۱۳۲ء میں بہمنوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اور سلطنت بہمنہ کے بجائے پانچ سلطنتیں قائم ہو گئیں۔  
 سلطنت بہمنہ مختلف سلطنت بہمنہ میں جو باشندے مسلمان تھے ان کو  
 باشندہ اور انکی زبانیں تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) دکنی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں یا بعد میں اسلامی لشکر  
 کے ساتھ دکن میں آئے۔ اور یہیں آباد ہو گئے یہ لوگ دکنی اردو بولتے تھے۔

(۲) غریب پردہسی۔ جو ترکی و ایران سے آکر دربار میں توسل پیدا کرتے تھے یہ لوگ ترک  
 ایرانی، افغانی، سیکی۔ اور فارسی بولتے تھے۔

(۳) یہ لوگ حبش کے باشندے تھے اور ابی سینیا سے آئے تھے۔ یہ بن کے راستے  
 دکن میں آئے تھے۔ یہ لوگ حبشی اور ایرانی زبانیں بولتے تھے۔ ملک کے اصل باشندے  
 ان کے علاوہ تھے۔ دکن میں شمالی مغرب میں مرہٹی زبان بولی جاتی تھی۔ جنوب مشرق میں  
 کنڑی اور تملنگی زبان بولی جاتی تھی۔ غریبوں کے مقابلہ میں دکنیوں کی تعداد زیادہ  
 تھی۔ اور اسی اعتبار سے عربی فارسی کے مقابلے میں ان کی زبان کو بھی رواج حاصل  
 تھا۔ دکنیوں کی زبان اردو سے کوئی جدا گانہ زبان نہیں تھی بلکہ یہی زبان تھی جسے  
 مسلمان علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں اور اس کے بعد ہندوستان سے اپنے ساتھ  
 لائے تھے۔ لیکن دیگر زبانوں کے اختلاط اور مقامی باشندوں کے ربط ضبط نے  
 بتدریج اس میں فرق پیدا کر دیا۔ اور یہ فرق سو سال کے اندر اتنا نمایاں ہوا کہ  
 دونوں زبانیں دو علیحدہ علیحدہ ناموں سے یعنی دکنی اور اردو کے ناموں  
 سے موسوم ہو گئیں۔

## دوسرا دور

### ۱۱۳۲ء تا ۱۱۹۹ء قلعہ شاہی اردو

سلطنت بہمنہ کے منتشر ہونے کے بعد دکن میں پانچ سلطنتیں قائم ہو گئیں اس



زمانہ میں یہاں بہت ترقی ہوئی۔ سلاطین دکن کے محلوں میں ہندو رانیاں آئیں سلاطین دکن  
ہندو مسلمان سے یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ ہندوان کی بے تعصبی کی وجہ سے ہندوؤں کو  
ادنیٰ عہدوں اور تحائف سے نوازا جاتا تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں شاہی دفاتر میں  
دکنی کو ہی رواج ہوا۔

سلطان تلی بانی سلطنت بہان میں الوند مرزا کے بعد پیر قلی اور پیر قلی کے  
قطب شاہیہ کا ہمدان میں آنا بعد اس کا لڑکا ادیس قلی برسر حکومت آیا ۱۵۴۷ء  
میں حکومت کے انتشار کے باعث اپنے لڑکے سلطان قلی کو اپنے بھائی اللہ قلی کے ہمراہ  
ہندوستان بھیج دیا۔ اللہ قلی سلطان کو لے کر سلطان محمود شاہ بہمنی کے عہد حکومت میں  
دکن (بیدر) پہنچا۔ محمود شاہ ان دونوں کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آیا۔ اللہ قلی  
کچھ عرصہ بیدر میں رہنے کے بعد اپنے وطن واپس چلا آیا۔ سلطان محمود شاہ نے سلطان  
تلی کو شاہی چیلوں میں شامل کر کے اپنے یہاں رکھ لیا۔ سلطان قلی کی قابلیت کو دیکھ کر  
بادشاہ نے قطب الملک کا خطاب دے کر تلنگانہ میں صوبیدار بنادیا۔ سلطان سولہ  
سال تک تلنگانہ میں صوبیدار رہا۔ ۱۵۶۲ء میں محمود شاہ کے انتقال کے بعد حکومت  
میں افراتفری سے فائدہ اٹھا کر سلطان قلی نے بھی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اور  
قطب شاہ کا لقب اختیار کر کے گولکنڈہ کو اپنا مستقر حکومت بنایا۔ قطب شاہی حکومت  
تقریباً دو سو سال رہی۔ ۱۷۵۱ء میں اورنگ زیب نے گولکنڈہ کو فتح کر لیا اور اس طرح  
قطب شاہی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ قطب شاہ کے بعد اس کے خاندان کے سات  
شخص حکمران ہوئے۔

(اس خاندان کے سلاطین حسب ذیل ہیں)

(۱) سلطان قلی ۱۵۶۲ء سے ۱۵۸۵ء تک (۲) حبش قلی ۱۵۸۵ء سے ۱۶۰۷ء تک

(۳) بہان قلی ۱۶۰۷ء سے ۱۶۵۷ء تک (۴) ابراہیم قلی ۱۶۵۷ء سے ۱۶۸۰ء تک



۱۵) محمد قلی شاہ ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۳ء تک ۱۶) محمد قطب شاہ ۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۷ء تک

۱۷) عبداللہ شاہ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۳ء تک ۱۸) ابوالحسن شاہ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۷ء تک

سلطانین قطب شاہیہ سلطانین قطب شاہیہ نہ صرف سیاسی اعتبار سے شہرہ آفاق

کامی مذاق گذرے ہیں بلکہ علم و فن کے قدردان اور خود بھی ذی علم تھے

یہ لوگ نہ صرف شعر گوئی کی قدر کرتے تھے بلکہ خود بھی شعر گوئی کا مذاق رکھتے تھے۔ سلطان

قلی نے تمام وقت حکومت کو مستحکم کرنے میں گزارا۔ مگر اس کے باوجود بھی اس کا دار الحکومت

شعرا اور ادیبوں سے خالی نہیں تھا۔ بادشاہ نے اک خاص محل آتش خانہ کے نام سے

تعمیر کرایا۔ جہاں پر بیٹھ کر بادشاہ خود تمام شعرا اور ادیبوں کے کلام سے مستفید ہوتا تھا

جسید قلی جو کہ خود سلطان قلی کا لڑکا تھا۔ کو شعر و سخن سے خاص دلچسپی تھی۔ ملا شریف

وقوعی اس کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ قطب شاہی خاندان کا چوتھا حکمران ابراہیم

قلی، نہایت زبردست عالم تھا۔ بڑے بڑے علماء اس کے دربار میں جمع تھے گو کہ کچھ

علم و فن کا مرکز تھا۔ اس عہد میں دکنی (اردو) کو بھی خاصی ترقی ہوئی۔ کئی ایک نامور شعراء

کا پتہ چلتا ہے جنہیں سے فیروز محمود و جیبی مشہور ہیں۔ ابراہیم کے بعد اس کا فرزند محمد قلی

قطب شاہ اپنے باپ کی طرح ذی علم اور ارباب کمال کا قدردان تھا ماس کا دور

حکومت ترقی علم و فن کے لحاظ سے خاص طور پر مشہور ہے۔ سلطان کو فنون لطیفہ کا

بہت شوق تھا، شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ اور اس نے عمارات تعمیر کرائی تھیں۔ اس سے

اس کے ذوق لطیف کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے زمانے میں اردو یعنی دکنی کو بڑا رواج حاصل

ہوا۔ جیبی، خواصی، احمد وغیرہ نے بلند پایہ منظموں لکھیں یہاں کے درباری شاعر تھے۔

سلطان خود بہت بڑا شاعر تھا۔ سلطان قلی کا جانشین محمد قطب شاہ بھی ایک ذی علم بادشاہ

گذرا ہے۔ اپنے پیشروں کی طرح اس کو بھی علم و فن اور شعر و سخن کا ذوق تھا۔ اس کو میر

اور تالپری کی کتابوں کا بہت شوق تھا۔ اور خود شاعر بھی تھا۔ غزل کے سوا قصیدہ اور مثنوی



بھی خوب لکھتا تھا۔ نامی گرامی شعرا اور بھارتی کے دربار سے وابستہ تھے۔ علامہ فاضل مولانا  
 رونقی، نور الدین حقیر وغیرہ فارسی کے زبردست شاعر تھے۔ اور خواصی ابن نشاۃ جہندی  
 طبعی، امین وغیرہ اردو کے مشہور شعرا تھے۔ بادشاہ خود بھی شاعر تھا۔ عید اللہ شخص  
 کرتا تھا۔ نو لکنڈہ کے آخری تاجدار سلطان مانا شاہ کا تمام زمانہ لڑائی جھگڑوں میں  
 گزرا اس پر آشوب زمانہ میں متعدد دشمنوں نے لکھی گئیں اور شعراء نے غزل اور مرثیے لکھے  
 مانا شاہ خود بھی شاعر تھا۔ اپنے پیش رو سلاطین کی طرح اس نے کوئی دیوان نہیں چھوڑا اس  
 دور کے مشہور شعراء خاںزادہ لطیف شاہی مرزا غلام علی سیوگ شعور وغیرہ ہی مشہور  
 ہیں نو لکنڈہ دہلی میں شامل ہو گیا۔ اور مغلیہ حکومت کا ایک صوبہ قرار پایا۔ اسی دور میں  
 شیخ برہان الدین راز الہی گزرے ہیں جن کا کلام اہم کہانی ہماری سندھ یونیورسٹی کا نائب  
 ہیں موجود ہے۔

## حضرت شیخ برہان الدین راز الہی قدس سرہ

برہان الدین راز الہی کی ولادت فیض حق سے ۱۰۹۹ھ اور تمام ولادت موضع  
 راجھی پرگنہ بودوڈ خاندیش ہے۔ شیخ صاحب کے بچپن کے زمانہ میں ہی ان کا خاندان  
 برہان پور آ گیا۔ دسویں کی وفات کے بعد اپنے عم بزرگوار کی زیر سرپرستی تعلیم و تربیت  
 اور نشو و نما حاصل کی ظاہری تعلیم کے ساتھ ساتھ فدا طلبی کا جذبہ بھی موج زن تھا حضرت  
 ملک حسین مینا کے مرید تھے۔ ملک حسین کے برہان پور سے چلے جانے کے بعد ۱۱۰۰ھ

۱۱۰۰ھ برہان پور کے سندھی ادیب۔ سید مصباح اللہ راشدی برہان پوری ۱۱۰۰ھ مولوی شیر  
 محمد خاں ایڈووکیٹ برہان پوری نے ملفوظات کے حوالہ سے آپ کی ولادت کا سنہ لفظ فیض  
 حق سے سن ۱۱۰۰ھ اور مقامات ولادت موضع راجھی پرگنہ بودوڈ خاندیش لکھا ہے۔



میں آپ مسیح الادیار کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو اس وقت انکی عمر انیس سال کی تھی۔  
 مسیح الادیار شفقت اور محبت کے پیش آئے۔ شیخ صاحب صبح کا جذبہ بھی رکھتے تھے لہذا ان  
 مرید ہو گئے۔ کئی سالوں کا اشتغال ہوا۔

روحانی علوم اور عرفانی تعلیم کے ساتھ ساتھ مسیح الادیار نے اپنی شاگرد رشید کو  
 علوم ظاہری شعر و ادب اور عروض، ریاضی، منطق وغیرہ میں بھی طاق کر دیا۔ معرفت کے  
 سلسلہ میں آپ کا لقب راز الہی تھا۔ اور فن شعر میں برہان تخلص کرتے تھے۔ عربی  
 ادب پر بھی آپ کو منتہیانہ عبور حاصل تھا۔ مرشد طریقت حضرت مسیح الادیار کی تلامذہ  
 آپ اس قدر محبوب و مکرم تھے کہ آپ اپنے نجی معاملات میں بھی شریک رکھتے تھے  
 آپ اہل دنیا اور اہل دولت سے طبعا گریز کرتے تھے۔ اور رنگ زیب کو بھی گریہ سخت  
 آپ کی توجہ سے حاصل ہوتی تھی لیکن آپ کو شہزادہ سے اس قدر گریز تھا کہ ہر اس کی  
 عافری کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اور رنگ زیب کو کجی شیت سے اعتماد اور کامل یقین تھا۔  
 دعائیں ہی کشود کار کا ذریعہ ہوتی ہیں۔

آپ کی تراعت پنہی کا یہ عام تھا کہ جب آپ کے سر کے عطا کردہ مکان میں منتقل ہوئے تو  
 اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس مکان کی سکونت سے دل میں اتنی محسوس ہوتی ہے۔

درویشی (فقیری) کی حقیقت کے متعلق آپ کی یہ تسلیم تھی کہ درویشی خلوت نشینی یا  
 پہاڑوں اور غاروں میں بیٹھا کر یا صنت کرنے یا سون پر پرداز کرنے کا نام نہیں ہے  
 بلکہ اپنے دل کو غیر اللہ سے بے تعلق کر لینے کا نام درویشی ہے۔ آپ کا قول تھا کہ درویشی  
 آٹھ چیزوں پر مبنی ہے اگر یہ صفات کسی پیای میں پائی جاتی ہوں تو وہ حقیقتاً درویش  
 ہے۔ اور اگر کوئی درویش ہوتے ہوئے بھی ان پر کار بند نہ ہو تو فی الواقع اس کا کوئی  
 تعلق نہیں۔ اور وہ آٹھ لوازم یہ ہیں۔ اول بروقت با وضو رہنا، ہمیشہ روزہ  
 کم خوراک، کم سونا، کم گوئی، لوگوں کی محبت سے گریز، خواہشات سے اجتناب



مرشد سے قلبی نگاہ۔ کم گوئی کے متعلق آپ کا یہ نکتہ ہدایت منبج ہے۔ جس طرح تمسویذِ  
 منت است ال مرہات ہے اسی طرح بسیار گویا بھی قلب کی ہلاکت کو باعث ہوتی ہے۔  
 آپ کا حق تو یہی رہا کہ عبادت و نوافل میں ہمہ اوقات ہلک و مشغول رہتے تھے۔ لیکن گارودی  
 اور ذوالفقار مبلغی پر اسور لوگوں کو ان کے متعلق امور میں دلچسپی اور اہتمام سے انجام دینے  
 کی تاکید فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ بنی شخصیتوں کی ذات سے عام لوگوں کا رفاہ کار و بار کے  
 تحقق رہتا ہے وہ لوگ نوافل میں مشغول رہیں گے تو ان کی یہ طاعات قبولیت کا درجہ نہ پا  
 سیں گے۔ بلکہ دینی سے قریب ہونے کے بجائے دور ہو جائیں گے فاعلت نفس کو آہ بڑا  
 سمجھتے تھے۔ آپ کا قول تھا کہ مرشد کامل دنی ہے کہ جس کی صحبت میں میرا دال دنیا کی  
 حباب سے متغیر ہو جائے۔ اور ذاتی لذتیں درجہ ختم ہونے والی راحتیں اس کو تلخ معلوم  
 ہوں گی وہ کہ ذکر حق سے مافوس ہو جائے۔

ہر زمانہ، علماء کی صحبت کے فوائد سمجھتے ہوئے اپنے مرشد حضرت سید ابوالدین کے  
 منہ کے مفہوم سے متعلق فرمایا کہ ایک ہیں اور یہ محمد اہل فنا کی صحبت میں رہنا دنیا بھر کی  
 ریاضتوں و مجاہدات سے بہتر ہے اس لئے کہ ریاضت و مجاہدہ کا مقصد دولتِ نفع  
 حاصل کرنا ہے۔ اور یہ چیز اہل فنا کی صحبت میں دم بھرتی حاصل ہو جاتی ہے۔ درحالیہ  
 اہل دنیا کی توجہ دنیا کی برکت سے یہ نعمت میسر آتی ہے۔

آپ کے علمی کمالات کے متعلق شروع میں بھی ذکر کیا تھا۔ آپ ماہر عروض شاعر تھے  
 اور آپ کا تخلص برہان تھا۔ شیخ صاحب کی تصنیفات کے بارے میں شریعتِ امانت باللہ  
 اور وصیت نامہ شریعت سہارنی کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ راشد صاحب برہان پوری  
 کے نادر ذخیرے میں ایک رسالہ تسلی فارسی اور ایک مضمون قسسی عسری  
 موجود ہے۔

سندھ یونیورسٹی کی لائبریری میں ایک قلمی نسخہ کمالی موجود ہے۔



## پیم کہانی

سندھ یونیورسٹی کی لائبریری میں شیخ برہان الدین رازا ہی کا قلمی نسخہ پیمانی  
موجود ہے پیمانی کا سند تصنیف معصوم نہیں کتاب کے آخر میں یہ  
عبارت تحریر ہے۔

”کامین تمام شد۔ کب فی من تصنیف قدود الواصلین، زبدۃ البحار فی منہج  
الساکنین حضرت شاہ برہان الدین رازا ہی قدس سرہ العزیز مورخہ ۱۲۱۲ ھ رماہ رجب بروز شنبہ  
شعبہ مدرسہ صورت اتمام یافت۔“

اس مخطوطے میں ۴۴ اوراق ہیں ۸ صفحات ۱۱ اس میں ۴۵ دوہے ہیں مضمون ہندی  
دوہوں کی نہایت بلند عارفانہ فارسی شرح جملہ ۴۵ دوہے ہیں۔ ہر دوہے اپنی جائے غزل  
کے شعر کی طریت عاشقانہ کمال مضمون کا دل ہے۔ لیکن شرح میں ایسا ارتباط پیدا کیا  
ہے کہ ازل سے آخر تک مسلسل باجر و مرتب ہو گیا ہے۔

ہندی زبان چودھویں اور پندرھویں صدی میں یعنی گیارھویں اور بارھویں  
صدی ہجری میں سب سے زیادہ مقبول اور عام نظم تھی در خصوصاً وہ ہندی جو کہ بولی راجپوتانہ  
منہ قبا پنجاب اور صوبہ سندھ میں بولی جاتی تھی اور کھی جاتی تھی۔ انتہائی دلکش اور شیریں  
تھی۔ خصوصاً ہندی شاعری لطیف جذبات کا ایک مروج ہے جس کی سب سے بڑی وجہ  
ہندی کی شاعرانہ روایات ہیں۔ جہاں عاشق ہمیشہ صنف نازک ہوتی ہے و محبوب مرد اور  
عورت کے فطرتاً جذبات و احساسات بہ نسبت مرد کے زیادہ نازک اور لطیف ہوتے ہیں لہذا  
ان میں سوز و گداز ہونا لازمی ہے۔ فرانسیسی شاعر بو دیو حقیقی شاعر کے لئے جذبات و  
مستی کو لوازمات فن میں سے تصور کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہر وقت بدست اور بلے خود  
رہو۔ سب کچھ اسی میں ہے۔ یہی شاعری کا ہر نیک کردار کی۔ لیکن ہر فرد



شاعری میں مسراتی جذبات بہت اہم چیز ہوتی ہیں۔ اس کا مجموعہ یہ ہے کہ جو کچھ  
شاعر کے دل پر گذرتا ہے اس کو صحیح صورت میں کہنے کا انداز پزیر کر کے اس کا کمال  
یہ ہے کہ جو کچھ دل پر گذری ہو وہی سننے والوں پر گذر جائے۔ اور یہ خواب جس غریب جتنی  
زیادہ ہوگی وہ اتنی ہی کامیاب ہوگا۔

داردات عشق و محبت کے خواہ عشق مجازی ہو یا حقیقی۔ وہ بہت ہی منفرد ہے  
بیش پیش نظر آتا ہے۔ شیخ برہان الدین راز ہی کے وہ بیت بھی اردو زبان میں ایک درجہ  
مستحق ہیں جنہوں نے اپنے وہ جوں میں زندگی بھر شمع کے جلنے پھلنے کی عین حقیقت  
کے میں ان میں عشق حقیقی کی وہاں نہ نہایتوں کا ذکر عارفانہ انداز میں موجود ہے اس بات  
اس شعر سے ہوتی ہے۔

## دوسرے

یہ کہنا میت کو سنو تم آئے	یہ کہنا میت کو سنو تم آئے	یہ کہنا میت کو سنو تم آئے
پیمبران بن بھری مت سنو تو آئے	پیمبران بن بھری مت سنو تو آئے	پیمبران بن بھری مت سنو تو آئے
پیشکش ہونے کے سبب سے سولہ لکھ	پیشکش ہونے کے سبب سے سولہ لکھ	پیشکش ہونے کے سبب سے سولہ لکھ
اگ لگے دیس و بھٹ پڑے وہ خداؤں	اگ لگے دیس و بھٹ پڑے وہ خداؤں	اگ لگے دیس و بھٹ پڑے وہ خداؤں
مات سنو اور نہ سے لکھی کرو نہ صوبال	مات سنو اور نہ سے لکھی کرو نہ صوبال	مات سنو اور نہ سے لکھی کرو نہ صوبال
پاں باجہ بات مولا دیگوں جھنڈا تیر	پاں باجہ بات مولا دیگوں جھنڈا تیر	پاں باجہ بات مولا دیگوں جھنڈا تیر
لکھ نہ سے جو کھیاں دیکھوں اپنی پیو	لکھ نہ سے جو کھیاں دیکھوں اپنی پیو	لکھ نہ سے جو کھیاں دیکھوں اپنی پیو
من میری تو ہلے رکھی تانے مولا	من میری تو ہلے رکھی تانے مولا	من میری تو ہلے رکھی تانے مولا

پیت و ریت کریت ہر مت کھینچ وہ نادوں  
بھونکیو اور پڑھی تو کا نہیں ٹھکانا ٹھکانوں

خاتمہ کلام



## جہانگیر

مرزا جعفر بیگ قزوینی عبد الجبار ملکپوری کی تحقیق کے مطابق جعفر تنہا اس اور مرزا جعفر بیگ نام سے۔ بدیع الزماں قزوینی کے خلف الصدق ہیں۔ کہ وہ بانیہ کے عہد حکومت میں معزز و متاثر رہے۔ فن شاعری میں استاد کمال تھے تنویر شیریں خسروان کی یادگار ہے شہادہ میں برہان پور میں انتقال ہوا اپنے چچا کے مرنے کے بعد مصنف خاں نام سے مشہور ہوئے کسی طرز تاریخ وفات "مصنف از مصنف خاں" سے نکالی ہے۔

در بار سیا بوسے بہت مستحب	چشمے گنہگار دہہ قانہ وارو۔
ہزار بلبل شوریدہ فک شد جعفر	ہنوز رسم خود آرائی تین بقیست
درستی بہ کس شکست پسنداری	شکست زلف کہا و دل شستہ لبا
اے عباد ارشکم اما دل بایں جوئی گنم	کہیں گشتان ست تنویر درویشیست
شہر گنجائش غم با مے دل ماچہ داشت	آفریدہ نذر بر آدل ماحوارا۔
ز شوق آنچہ آنچہ دید فریاد۔	مرا میں جانتسم از دست افراہ

## مرانی

سندھ یونیورسٹی کی لائبریری میں مرزا درود میں جعفر کا کلام ملتا ہے۔ یہ مزاجات جعفر کی بھی ہوئی ہوتے ہیں نو بند ہیں۔

ابتداء کلام	گنہ گزرات ہم پالی	عل بن کاسٹھ ہے خالی
	تہیں سے ہو سکھ لا	محمد یا رسول اللہ
نمونہ کلام	ہماری بی بی میں خاتم	ہنود می وی میں ماتم
	ہماری خیر کے خاتم	محمد یا رسول اللہ



خاتمہ کلام کہ بعض روز پالتب  
 طریک پہ میں پاتا ہے  
 تبار نخل چاہتا ہے  
 محمد یاروں کا شاہ  
 یہ مناجات یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

## پندرہ دور سنہ ۱۳۳۵ء

مغلیہ اردو سنہ ۱۳۳۵ء میں بھی درود ششم میں گوگند فتح ہو کر سلسلہ مغلیہ میں شامل  
 ہو گئے۔ گوگندہ درحیاء پور کے درباروں میں شعراء اردو کے ساتھ بحیرہ مراعات  
 کی جاتی تھیں۔ اور انہیں ان کی تصنیفات کے صلہ میں ہر بار دوپہ انعام ملا کرتا تھا۔ امراء  
 ہر غنیمت کی قد دانہوں کی وجہ سے ان میں یہ مذاق پیدا ہوا تھا۔ لہذا غرض یہ تھا کہ  
 ملازمین دکن کی حکومت ترقی پرتے ہی اردو شاعری بھی نہ ختم ہو جاسے۔ مگر نتیجہ بالکل اس کے  
 برعکس نکلا اس کا سبب یہ تھا کہ ان میں اردو مستدر عام ہو گئی تھی کہ لین دین میں بڑی ذوق  
 میں بھی کسی کو رواج حاصل نہ تھا۔ ذوق اردو ہی کوئی ذریعہ زبان استعمال کرتا۔ زبان اردو عام  
 ہونے کی وجہ سے تمام ملک میں اردو شاعری عام ہوئی۔

درنگ آباد کو اوڈنگ زیب شہزادہ میں اپنا صدر مقام قرار دیا تھا۔ اس وقت سے  
 اس کی رونق زیادہ ہونے لگی تھی۔ پتہ قلعہ شاہی پاسے تخت گول گندہ اور عادی شاہی  
 دار حکومت بیجا پور شاعری کے مرکز تھے۔ مغلیہ دور میں اورنگ آباد نے اس کی جگہ  
 لے لی۔ اس طرح اورنگ آباد نہ صرف سلطنت مغلیہ کا مستقر ہونے کے لحاظ سے دہلی  
 کے امراء و سادات، علماء، شعراء، کامیوزین گیا بیچو گندہ درحیاء پور کے باکاموں کا بھی  
 بجا اٹھ گیا۔ شعراء شاعری کا چرچا چڑھا۔ اس طرح اردو شاعری کے بھی یہاں قدم  
 جم گئے۔ در شعراء نے اپنی یادگار میں بہتر کلام یادگار زمانہ چھڑا۔ عالمگیر نے نصرانی کو  
 ملک شعراء کے نقاب سے شرف کیا۔ سنہ ۱۳۳۵ء میں تقریباً پورا دکن قلم و منہ میں شامل



ہر ایک شعر میں حضرت حسن و علیؑ نے سنسنت آصفیہ کی نیا و دور سنسنت  
سال کی مدت میں اور دو کے کئی ایک شعرا مشہور ہو گئے ہیں کی تمنویاں دیوان و رشتہ  
کے تک موجود ہیں۔

اس دور کے شعرا حسب ذیل ہیں۔

نمبر شمار	تخلص	مرحلتہ تعریف	سنسنت
(۱)	دلی اورنگ آباد	نہایت	سنسنت
(۲)	صیفی	عشق صادق	سنسنت
(۳)	امین	بیت نامہ	سنسنت
(۴)	ذوقی	خوش نامہ	سنسنت
(۵)	بحری	مہر	سنسنت
(۶)	برقی	کشت حسن و دل	سنسنت
(۷)	وجدی	تمتہ ساتقان	سنسنت
(۸)	اشرف	بچہ بابہ	سنسنت
(۹)	دلی دہلوی	باغ بانغرا	سنسنت
(۱۰)	عشرتی	جنگ نامہ حیدر	سنسنت
		روغنتہ الشہداء	سنسنت
		دکن دیدار	سنسنت
		میک پتنگ	سنسنت
		دکن دیدار	سنسنت



نمبر شمار	تخلص	صاحت تصنیف	تذکرہ
(۱)	عاب	رقن بدیم	نشر ۱۱۳۴
(۲)	بیچارہ	.	.
(۳)	نراق	.	.
(۴)	قیم احمد	مرتبہ	.
(۵)	ندیم	.	.

ایہیں تخلص کے متعدد شعراء دکن میں گذرے ہیں۔ املا میں کو عاب مغلیہ سے آہٹ  
 ہے۔ نصیر الدین ہاشمی اور جناب غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی تحقیق کے مطابق یہ کلمات کے  
 باشندے تھے مگر عرصہ تک اورنگ آباد میں قیام رہا جس کے باعث دکنی شعراء میں  
 ان کا ذکر بھی شامل کرنا۔

ایک اور تحقیق کے بموجب مین برہان پوری کی اس کے پاس تھے شاہی امر  
 اور ممتاز منصب داروں میں تھے شعری کا بلند اور شعر ذاق رکھتے تھے۔ مزایا بدلتے  
 شرف تلمذ حاصل تھا۔ زیادہ تر فارسی کلام لکھتے تھے۔ اردو کا کچھ رواج ہو چکا تھا لیکن  
 خاص فارسی گو شعراء اردو پر تو در نہ ہونے کی وجہ سے لم ہی اردو پر توجہ کرتے تھے  
 مین کا اردو کلام بھی ہر صنف سخن میں کافی تعداد میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپ یہ مسہد کتب کے  
 وید ہیں۔ لکھی نرائن شفیق نے مین کے ذکر میں بوجہارت لکھی ہے مناسی میں پکا بھی خط کتابت  
 آگیا ہے۔ پوری عبارت حسب ذیل ہے۔

میر مہدی تخلص مولدش برہان پور است والدش میر محمد امین مقرب دربار شاہی است

۱۔ یورپ میں دکھائی مخطوطات دکن میں اردو ادبی نقوش (اردو املائی تاریخ)  
 ۲۔ میر مہدی برہان پوری۔ کے چنان شعراء لکھی نرائن شفیق۔



صاحب سخن و شاگرد مرزا بی بی بود متین ہم طالب علم جید و خلیق و کم سخن و خوش  
فکر و متلاشی مفادین رنگین است اصدا ج سخن از تر و سراج میگردد - این چند  
آیات از طبع زاداوست ۴

ایمن نے اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں کن کارخ کیا۔ صوفی مشرب تھے  
قادر یہ طریقہ پر حجت کی تھی۔ ان کی ایک ثنوی یوسف زینا جو طبع میں تصنیف ہوتی  
ہے ڈاکٹر محمد الدین قادری کی تحقیق کے مطابق یہ ثنوی نہ باخسہ و کی یوسف  
زینا باخسہ ہے۔ یمن فارسی اثر سے بالکل آزاد ہے۔ ایمن نے حضور رسول کریمؐ کی ولادت  
نہ بھی تصنیف کیا ہے۔ جو کہ سندھ یونیورسٹی میں موجود ہے۔

ولادت نامہ رسول کریمؐ اس مخطوطے میں نہ ف و د اور ق میں معنی ۱۸ محرمات  
پر صفحہ پر کم و بیش ۱۸ سطریں ہیں اور ہر سطر میں ایک مصرعہ ہے یعنی آٹھ آٹھ شعر ایک  
ایک صفحہ پر کچھ ہوتے ہیں۔ یہ مخطوطہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے رسول کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم کی ولادت مبارک کے متعلق ہے۔ اشعار سے اندازہ ہوتا ہے  
کہ شروع کا ایک ہی صفحہ ضائع ہو گیا ہے کیونکہ مخطوطہ میں جو ہرے پھرے شعر ہیں  
وہ یہ شعر ہیں نظر آتا ہے۔

سے جو تادایم خدا تئیں موت کا پر گزرد  
بن نین سب دیکھا ہے بن کان خستہ ہے خبر  
بن حبیب بوسے بولیاں بن ہاتھ صفت کیے  
نہاں اس کے کوئی ہے ناگہانی مثل اس کے کرے  
درد و بلا اس کو نہیں ہاں، ضعیف و عاجزی  
سب سے بڑا ہے پاک اور ہے قدت ان کا بڑی  
یہ مخطوطہ اس طرح چلتا ہے۔ حمد کے بعد نعت آتی ہے۔ ہمارے مخطوطہ بائیسویں شعر  
میں شاعر کا نام یوں آتا ہے۔



ایسے نبی سے جو میرے دوستوں کی یادوں کو بھول گیا  
یہ اتین کا تخلص اور جلیوں پر بھی آتا ہے ہمارا مخطوطہ جہاں ختم ہوتا ہے اس سے کچھ پہلے  
درجہ یہ تخلص آتا ہے۔

یارب! میں کو توں سو یاں یاں کوئی کشتہ  
اس ذکر صریح میں جہاں میں اندر مشیت  
بھٹیں توں دنیا کے بتیہ پرے زلزلہ دنوں تو  
عاشی کہ بخشا چاہے تو بخشیں مجھے سب کے مست  
اس کے بعد ہمارے مخطوطے میں یہ شعر آتا ہے۔

مطلب نہ تھے دریاں سکابین و دور  
اور چکی چکی کر رہا اب وہ کر بھونڈوں میں  
ورسکماخت تب بنی بی بی کھڑی شوق تھے  
سب کھڑے چھوڑا تھا انہوں اور دینے نہ جانے  
پوچھ محمد نے یوں تب بی بی کون ہے کمر کا شوق  
بے دیکھا ہونے کا دل چن کے بہت شوق  
بی بی کے نہیں سننے تب وہ نبیوں کے شاہ  
کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ  
بی بی نے جب کلمہ سنا دیا ہو گیا تب بی بی  
اور ان جیسے کیا تب صول کیا دماغ  
بی بی سا بے دل صول تب کھڑے ہو بیشک پکار

اس مخطوطے میں حمد و نعت کے بعد شاعر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل  
کے حالات بیان کئے ہیں۔ کہا حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے وہ انہوں نے ولادت  
باسعادت کی خوش خبری سنائی حضرت آمنہ کے حالات اور ان کو خواب لگاتے تھے ان کا  
بیان ہے۔ ابوہب و جہل نے جو خوشیاں سنائی تھیں ان کا بھی ذکر ہے۔ اور ہر قسم  
روایات موجود ہیں جو مختلف کتابوں میں نظر آتی ہیں آخر کے ورق ہونے کی وجہ سے اس  
مخطوطے کی تاریخ کتاب معلوم نہیں ہو سکی تاہم اس میں شک نہیں کہ اس کا نزدیک سو سال  
پرانا ہے۔ مخطوطے کی کتابت میں یہ چند خصوصیات بہت نمایاں ہیں۔

(۱) اب اور ط کے لئے چار چار نقطے استعمال کئے ہیں۔

(۲) ڈ اور ڈ کے لئے چار چار نقطے استعمال کئے ہیں۔



۳) مخلوط اور غیر مخلوط کسی کے لئے کوئی خصوصیت نہیں رہتی تھی۔

۴) یا سحر و ابدیہ کے مجہول کے لئے کتابت اور قافیہ دونوں میں کوئی خصوصیت نہیں۔

ان کے بعد وہ وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو کہنی زبان اور جہ میں باقی باقی

ہیں۔

**فیض** شمس الدین فیض سنہ ۱۱۸۵ھ میں تعلق رکھتا ہے یہ امین گجراتی کا معاصر ہے

یہ کوئی مشہور شاعر نہیں تھا اس لئے کہ ابوں وغیرہ میں کسی ذکر نہیں ملتا تحقیق یہ ہے  
چلتا ہے کہ یہ غلیہ دور سے تعلق رکھتا ہے۔ ۱۱۸۵ھ میں اس نے فتویٰ وقات نامہ سولہ کرم  
تفسیر کا تحقیق اس شعر سے ہوتا ہے۔

ہو نسخہ یہ ہجرت بعد سارا ہوئے تھے بریں کا گیا سو گیارہ

اس شعر سے ۱۱۸۵ھ کی صراحت ہوتی ہے۔ آخر میں شاعر کا نام بھی تحریر ہے۔

وہ تو نے فیض کو توفیق پایا کہا اس کے سبب امر مرتب

وقات نامہ سولہ کرم اس مخلوط میں صرف آٹھ ذوق ہیں یعنی سولہ صفحات اور ہر صفحہ  
کم و بیش سولہ سطریں ہیں اور ہر سطر میں ایک مصرعہ ہے یعنی سولہ سطر اشعار ہیں ہمارے  
مخلوط کی ابتداء حمد ان اشعار سے ہوتی ہے۔

ابتداء کے کلام بنا اول کروں حمد خدا میں ازیاں وہ پر اس کی ابتداء میں

یہ قدرت میں ظاہر اپنی قدرت بنا رنگ دیکھا آپ اپنی طاقت

نہ تھا سو سب کچھ ہر نو جو نہ کہو یا سب کسی کا آپ معبود۔

دیکھئے کہ اپنی آشنائی پچھانت کو دلائل میں ہی منہائی

یہ مخلوط اس طرح چلتا ہے حمد کے بعد نعت آتی ہے آخر میں شاعر کا نام اس طرح

آتا ہے۔

ہو نسخہ یہ ہجرت بعد سارا ہوئے تھے بریں گیا سو گیارہ



ذیالوفیق فیض کون : رب کیا اس کی سبب امر امت

جیسا کہ ان مخطوطے کے نام سے ظاہر ہے وفات سے متعلق واقعات تحریر ہیں یہ  
تقریبی خط نسخ میں تحریر ہے کیلنگ عراحت سے سنہ کن بت ۳۳۵ھ ہے یہ مخطوطہ ۱۳۵۵  
میں ترتیب ہوا مخطوطے کے آخر کے شعر سے اس کی تاریخ کا عراحت ہوتی ہے۔

نمونہ کلام کہین وصف کوئی اس نہایت کا کوئی جو ناتواں سابی زیادت کا  
لجھے تو فیتہ سے یارب تو بولوں زمین بحر بنی دھنسی میں مھولوں  
کہوں مصلوات کو بعد از ان میں نبی جو تسکینے سوں بیلاں میں

دست چھٹنے تب کے چار کرد عورت مرداں او پیار  
پیر مادر کون دیا اپنی عزت کرد پیش لوگوں کو سخاوت  
نہ کو بسائے کا یو دیو آزار نہ کو سختی تیاں پر کرد پیار

اس نسخہ کی خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) اس میں عموماً غلطی و کو دو چشمی لکھا ہوا ہے بہت کم مقامات پر اس سے اختلاف ہے۔

(۲) اسے معروف اور بلائے جموں میں اکثر و بیشتر آجکے کے مطابق اختیار ہے۔

(۳) کاف اور حمف میں کوئی امتیاز نہیں۔

(۴) ٹ کے بے رد نقطے استعمال کئے گئے ہیں۔

(۵) امر میں اور خصوصاً اس وقت جب کہ دوسرے پہ نون ہے تو ایسے واؤ کے لئے  
نون غنہ آتا ہے۔

وفات نامہ حضرت رسول اکرمؐ یہ گیارھویں صدی ہجری کا لکھا ہوا مخطوطہ نہایت  
بائز خط نسخ میں ہے اس مخطوطے کے ۴۷ اوراق ہیں۔ یعنی کل ۴۸ صفحات ہیں۔ یہ مخطوطہ رسول اکرمؐ



کی ذوات کے متعلق ہے۔ خط نسخہ نثر کے ترز پر مسلسل تحریرت مضرط کے آخر میں تحریرت  
تحریرت تقریباً یکبارہ سطر میں۔ مصنف کا نام آپس پر بھی تحریر نہیں ہے۔ نئی تحقیق کے بسبب  
نمونہ کدم راؤ پدم راؤ کی املا کی کمی خصوصیات کا حال ہے۔

ابتداء کلام موت کوں سپہ پرتی جانوں دنیا خواب کی بری جانوں

اس نئی دو دروازی ہوئی ایک تہی پیٹ تماشا جو دی

تمام حالت ذوات سے متعلق ہیں تمام مشہور عام روایات موجود ہیں جن کا لکھت  
طوالت ہے۔

نمونہ کلام دو جی تہیں جب بکھے بہار تماشا اس کا جا بے بہار

دنیاؤں کی یونانی پچانوں تعبیر اس کی نئی ماں آؤں

تم کو کام نہ آؤتی کوئی جوں دل سے دیکھو جو کی

نئی اوپر امید دہر و بری کرنی تھی بھوت درو

دست پر تم کا ن سکاؤ اللہ کو تم اک پہنچاؤ

تم کوئی خدا کے بند دل پر مت کجوز نہاں تکبیر

میں مختصر میں جو خصوصیات برتی گئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ٹ کے لئے چھوٹے ہ کی جگہ ! نقطے ہیں اور ٹ کے لئے ہ پر ایک زبر ہے۔

۲۔ جزم عمراً گول دایسے کی طرح لکھا ہے۔ لیکن جب ناقبل حرف مفتوح ہے

بھول تو اٹ جزم مثل جلال کے ہے۔

۳۔ سوائے ایک آدھ جگہ کے اکثر مقامات پر مخاوطی ہ کو دو جہی لکھا ہے۔

۴۔ یا لے معروف کے لئے کسور حرف کے لئے چھوٹا الف ہے۔

سانی خصوصیات میں سے کئی تھیں اور تھے لکھا ہے۔ امر میں اور خصوصیات



وقت جب کہ واؤ سے پہلے ن ت تو ایسے واؤ کے بعد نون غنہ آتا ہے اس طرح  
کہ پہلے نو بجائے پہلے نون، لازم مصدر آنا، کو متحدی بنا کر امر، آنوں، بتایا،  
جسے اس شعر میں ہے۔

تعبیر اس کی، ل ماں آنوں

اس شعر میں دل میں کی بلکہ دل میں جو برج سے متعلق ہے اور ثنوی  
برزخ جو شا کے وزن میں ہے۔

وجدی شیخ، بہ الدین و بہن صوبہ اورنگ آباد کی سرکار دہرہ میں پختہ نالی  
یہ قصہ کے رہنے والے تھے، خیر الدین باغی کے سلاطین کر نول کے باشندے تھے  
صوفیانہ شرب تھا، عطار کے تصنیفات سے فدا رکھتے تھے، لکیر کے آخروں  
میں تھے۔ وجدی کی تین ثنویاں مشہور ہیں۔ تحفۂ عاشقان سلسلہ میں تصنیف  
کی، دوسری ثنوی پنجابی باجہ ہے جو فرید الدین عطار کی تصنیف منطق الطیر کا  
منظوم ترجمہ ہے۔ اس کی تصنیف سلسلہ میں ہوئی تیسری ثنوی باغ جاغل  
ہے۔ جسکی تصنیف سلسلہ میں ہوئی ہے۔

## نظم اردو و بطرز منطق الطیر پنجابی باجہ

یہ وجدی کی مشہور تصنیف ہے۔ پنجابی باجہ یا پنجابی نامہ سے موسوم ہے  
سندھ یونیورسٹی کے اس نسخہ میں منطق الطیر لکھا ہوا کشمیر میں کجاسی نام سے  
موسوم ہے۔ تمام پنج کتابت اس سندھ تصنیف درج نہیں ہے۔ شروع امر  
آخر کے تمام اوراق غائب ہیں، باقی اردی بھی دیکھ خور وہ ہیں یہ ہندوؤں کے  
مکالمہ کا عرفان، مضموناً نہ وسیع سلسلہ ہے۔ جس میں متعدد حکایات مشہور  
مذکور ہوئی ہیں۔



(۱۱) بلوم ہارٹ کی صراحت کا خلاصہ۔

"The Eloquence of the Birds," an allegorical poem in praise of God with anecdotes of saints and holy men, translated into Dakhni verse from the Persian Masnawi of Shaikh Fariduddin Attar by a poet whose Takhlus is Zaif. See. Recd Persian catalogue No 1031 Col 6/2 In the epilogue, the translator has given the Dakhni title "Punchhi Bacha" to the work. It was composed A.H. 1131 A.D. 1719.

نصیر الدین ہاشمی کی تحقیق کے مطابق اس کا مصنف وجدی ہے۔ ذیل کے اشعار سے اس کی تحقیق ہوتی ہے۔

یوں دھامانگی ہے گرم پشیم آہیں  
بخش وجدی کوں بھی اے دیار رس منبر ۳  
جی غلامی سنجو بھی دوزخ کی ہوئی  
آسرا وجدی کوں نہیں توجہ بلج کوئی منبر ۴

catalogue of the Hindustani Manuscript in the Library of India office - Blumhardt.

۲۔ پورب کے دکنی مخطوطات۔ دکن میں اردو۔



مؤلف نے اردو سے قدیم کی تحقیق کے بموجب اس تاریخ تصنیف ذیل کے شعر کے لحاظ سے ۱۱۳۴ھ قرار دی ہے۔

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب      تب ہوا میزان میں کیا غاما کتاب  
پروفیسر دہلوی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ۱۱۳۴ھ میں تکمیل کو پہنچی بیرونک ڈھارن  
بھانڈش گیشل سٹافٹ میں اس کا جو نسخہ ہے اس سے ۱۱۳۴ھ میں تصنیف ہونا ظاہر  
ہوتا ہے کتب خانہ آصفیہ کے قلمی نسخہ سے اس کا سنہ تصنیف ۱۱۵۹ھ ظاہر ہوتا ہے  
شعر اس طرح درج ہے

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب      تب ہوا میزان میں کیا غاما کتاب  
بلوم ہارٹ نے ۱۱۳۴ھ اسی شعر سے نکلے ہیں۔ نعیم الدین ہاشمی نے بھی ۱۱۳۴ھ  
تاریخ تصنیف نکالی ہے۔ ایک اور تحقیق کے بموجب سنہ تصنیف ۱۱۵۹ھ ہے  
ان تمام تحقیقات سے سنہ تصنیف کا پتہ چلتا ہے سندھ یونیورسٹی کی لائبریری کا جو نسخہ  
ہے اس کے تمام شروع اور آخر کے اوراق غائب ہیں لہذا اس نسخہ کا سنہ تصنیف  
اور شاعر کا نام اور تصنیف کا نام معلوم نہیں ہو سکتا۔ باقی تمام اوراق بھی دیکھ خود  
ہیں۔ نظم کی بحر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دجری کی پنجی باجہ ہے۔ نفس مضمون بھی وہی ہے  
جو عطار کی منطق الطیر کا ہے۔

نمونہ کلام - بعد از آباہن باکرد فر      چھاؤں جس کے بادشاہ کا چہر  
بوسے لا گیا کہ ہے بچی میں جس      لال سما      فلی  
اصل میں دھرتیا ہوں بلند      کوٹہ عزت سو کرتا ہوا آئند  
اک تھا کوئی بادشاہ والا کوہر      لیکن ہوا شقی غلام اپنے اوپر

۱۔ اردو قدیم از شمس اللہ قادری      ۲۔ یورپ میں دکنی مخطوطات۔ از نعیم الدین ہاشمی۔  
۳۔ اردو مخطوطات ہنر مرتبہ حامد اللہ ندوی۔



سب غلاماں سوں دہرے اون سوہیا۔  
 لیکن اپنے جیو ہوں ڈھولوں غلام  
 ایک نے پونچھا او سے اے نیک مرد  
 جب کہ او سرخ او پانا نقاب  
 ڈالتا ہے سایہ اپنا خاک پر  
 پس جناد اس جہاں کے سر بسر  
 جب سماں تھمکوں سمجھا جائے گا  
 پس کہا چوتھے پنجی نے اک بات  
 کچھ عجب دستا ہے میرا منجکوں مال  
 کب سے ان اہد کب سے نکب مرست  
 کب سوں شیطان منجکوں پس راہ پر  
 پس کہا ہر دم کے پنج یو بات ہے  
 پانچو ان پنجی ہوا یوں غدر خواہ  
 کس وضع سوں میں چنوں تیر شکست  
 بعد زان پنجی ان کے آیا چہرہ  
 ساتواں آیا چہرہ و بعد زان  
 یو مرا جیو تو بہت را دوست ہے  
 جب نہ دیکھا اس کوں تو ہوئے بقرار  
 ہو رہا تھا زرد رنگ آپ با تمام  
 کیا سبب ہے توں ہوا رنگ زرد  
 تب نکل آتا ہے جیوں آفتاب  
 پھر کہ اس سایہ پوکڑا نظر  
 سایہ سمرغ ہے لے بے خبر  
 نسبت اس حضرت سوں پنے پانچا  
 جو ہر مرا اصل میں تا مرد ذات  
 ہر گھڑی ہر لحظہ ہر دم خیال  
 کب سوں مائل کب سوں ناداں  
 کب فرشتہ منجکوں بیاڈ راہ پر  
 طبع کیلئے سب جنم یکد بات ہے  
 جو ہے میرا نفس شش آہ آہ  
 راہ کے رہ رہو رنگو لیکے اپنے سات  
 راہ کے تخت سو ہو کو کر نشا  
 سعادت سوں سو منج کھو یا زباں  
 عشق از سوں فرز باقی پوست ہے

(اسانی خصوصیات حسب ذیل ہیں)

- (۱) اور ڈھیلے چار نقشے استعمال کئے ہیں۔  
 (۲) پرکے لئے پو استعمال کیا ہے۔  
 (۳) گ کیلئے ک ہی استعمال کیا ہے۔  
 (۴) اٹھاتا کے لئے او چاتا ہے استعمال کیا ہے۔



# غالب اور حقیقت پسندی

از حکیم رشید احمد مختصم بریلوی

بیاوردید گراں حساب دوزباں دوزخ  
عزیم شہر سخنا کے لٹتی وارد

یہ عزیز شہر غالب تھا۔ جو اداں عمری میں اکبر آباد چھوڑ کر دلی میں آبا تھلا میں  
نے بہت کچھ کہا اور لکھا ہے۔ نظم میں بھی اور نثر میں بھی، اردو میں بھی اور فارسی میں بھی۔  
اس نثر میں بڑی سادگی اور بے ساختگی ہے۔ اور نظم میں بھی اور گہرائی۔ اس فارسی  
کلام اردو سے بہت زیادہ ہے اور اسی کو وہ اپنے لئے باعث تازش بھی کہتا ہے۔ فارسی سے  
اس کے انتہائی شغف کا اندازہ اس کے اس شعر سے ہو سکتا ہے۔

فرشتہ سعلی من رہت نمی دامن  
بن بگوئے کہ غالب بگوئے خدا تو گیت

لیکن اس کے جس کلام کو ہندوستان میں قبول عام کی سند ملے وہ فارسی نہیں بلکہ اس کا  
مختصر اردو کلام ہے۔ غالب ایک سپاہی زادہ تھا اور شاعری کو اپنے لئے کچھ باعث عزت  
نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ خود شعر لے اس کا بچپا نہیں چھوڑا  
چنانچہ لکھتا ہے۔

ماں بودیم بدیں مرتبہ انہی غالب  
شعر خود خواہش میں کر دکھ گردن

ہماری آج کی گفتگو، موضوع اس کا بھی چھوٹا سا اردو کا دیوان ہے اور ہم یہ دیکھنا  
چاہتے ہیں کہ اس کے کلام میں حقیقت پسندی اور واقعیت کا عنصر کس